شاہ جی زندہ ہیں

مظہر نواز درانی (ملتان)

بھائی شورش: میرا حال تو حضرت عمرؓ جیسا ہے، جیسے انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا، سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور سب کام اپنے ہاتھوں سے کرنے کے باوجود شاہ جی کی موت باور کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ دل کو سمجھاتا ہوں تو عقل نہیں مانتی کہیں وہ مجسم زندگی بھی موت کا شکار ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک تو شاہ جی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ البتہ ان کے سامنے نہ ہونے سے ہم لوگ اب ضرور مر چکے ہیں۔ مردوں سے مضمون لکھوانا اور پھر باصرار ناراض ہو کر لکھوانا آپ کا کام ہے۔ شاہ جی جیسی باغ و بہار شخصیت پر لکھنا تو آپ جیسے عبقری لوگوں کا کام ہے۔ میرے ایسے رضا کار جن کا کام عمر بھر جلسوں کی دریاں سمیٹنا اور بچھانا رہا ہو یا اور آگے بڑھے تو کسی قسم کے زخمیوں یا بیماروں کی کوئی سوشل خدمت کر دی، کیا شاہ جی پر مضمون لکھیں گے اور پھر لکھئے بھی تو ان کی کون کون سی بات کو لکھئے انہی سے ایک سنا ہوا شعر بار بار سامنے آ کر ہاتھ پکڑ لیتا ہے کہ میاں کیا لکھو گے۔

دامان نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گل چین نگاہ تو زداماں گلہ دارد

ذاتی تاثرات کی یہ چند سطریں بھی اس لئے لکھوا رہا ہوں تا کہ آپ کی وہ بدگمانی دور ہو جائے جو آپ کے ذہن میں پیدا ہو چکی ہے۔ دوسرے یہ بھی خیال ہے کہ یوسف کے خریداروں میں نام تو لکھا جائے گا۔ میرے جیسے لوگوں کے لئے یہی نسبت ہی کافی ہے۔

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

شاہ جی کا ملتان میں آنا جانا بھی کافی تھا اور مجھے سکول ہی کے زمانے سے ان کی تقریریں سننے کا شوق تھا۔ ملتان کی سیٹھ فیملی کے ایک رکن "پورن چند" میرے کلاس فیلو تھے اور وہ بھی شاہ جی کی تقریروں میں عموماً میرے ساتھ جاتے تھے۔ سکول کا زمانہ ختم ہوا تو پورن چند نے ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور میں داخلہ لیا اور میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوا۔ اب ہمیں شاہ جی کی مزید تقریریں سننے کا بہترین موقعہ میسر آیا اور لاہور میں بھی پورن چند ہمیشہ میرے ساتھ جاتا۔ اور جہاں شاہ جی کی تقریر کا اعلان ہوتا، میں پورن چند اور دوسرے احباب وہاں ضرور پہنچ جاتے۔ شاہ جی کی تقریر سننے کے بعد پورن اکثر چپ سادھ لیتا بلکہ تقریر کے دوران میں بھی اس کی حالت ہمیں متغیر نظر آتی۔ میں نے بارہا اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے مگر وہ عموماً بتلانے سے گریز کرتا، آخر میرے اصرار پر ایک دن اس نے بتلایا کہ شاہ جی جب قرآن پڑھتے ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ابھی ابھی آسمان سے اتر رہے ہیں، وغیرہ۔

اس کی یہ کیفیات سن کر میں نے اسے اسلام لانے کی ترغیب دینے کی خاطر کہا" پھر اسلام کے متعلق

تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے معاً کہا۔ آپ کے مذہب کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن آپ کی قوم کا مستقبل مجھے روشن نہیں دکھائی دیتا۔ بخاری جیسے آتش بیان مقرر تو آپ کے ہاں بے شک موجود ہیں لیکن دت اور بھگت سنگھ جیسے رضا کار مفقود ہیں۔ میں نے بے ساختہ اسے جواب دیا میں شاہ جی کا رضا کار ہوں اور تا زندگی ان کا رضا کار رہوں گا۔ اور یہ صرف وقتی جواب نہیں تھا بلکہ میں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شاہ جی کا رضا کار رہوں گا اور وہ جو خدمت بھی میرے سپرد کریں گے میں اسے ہر صورت میں بجا لاؤں گا۔ اور اس وقت سے آج تک کہ تیس پینتس برس گزر گئے، میں اپنے آپ کو شاہ جی کا رضا کار ہی سمجھتا ہوں۔ مواقع اگرچہ میسر آئے اور دوستوں نے آگے بڑھانا بھی چاہا مگر میں نے کبھی آگے بڑھکر لیڈر بننے کی کوشش نہیں کی حتیٰ کہ کبھی سٹیج پر نمایاں ہو کر بیٹھنے کی کوشش بھی نہیں، کبھی تقریر نہیں کی کبھی قلم کی گھس گھس کو پیشہ نہیں بنایا اور معاف کرنا آج بھی آپ کے اصرار کو یہ مضمون لکھوا کر پورا کر رہا ہوں لکھ نہیں رہا ہوں، صرف اس لئے کہ میں اپنے عہد نبھانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور رضا کار رہنے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

شاہ جی تو شورش بھائی! ایک نجم ہدایت تھے ہم انہیں دیکھ کر نشان راہ کا پتہ پاتے تھے۔ بلکہ وہ ماہتاب مسرت تھے کہ ہم ان کی ٹھنڈی اور میٹھی چاندنی سے دلی مسرتوں کی کیفیتیں سمیٹتے تھے۔ نہیں نہیں بلکہ وہ آفتاب رشد و ہدایت تھے۔ جن سے ہم خون کی گرمی حاصل کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرتے تھے۔ وہ وقت کے شہنشاہ تھے اور اسی طرح اپنے وقت کے بہت بڑے فقیر بھی تھے۔ وہ عالم نہیں بلکہ عالم گر تھے وہ بظاہر طبیب نہیں تھے مگر حقیقت میں وہ دلوں کے طبیب اور حکیم الامت تھے۔ میں نے بڑے بڑے وزراء، حکام اور رؤساء کو انکی چوکھٹ پر آتے دیکھا مگر وہ کبھی نہ کسی سے مرعوب ہوئے اور نہ ان کی کسی ناجائز خواہش کو مانا اور ہمیشہ غریبوں میں بیٹھ کر اپنے آپ کو انہی میں سے ایک فرد بنا لیتے اور اس بات میں زیادہ خوشی اور مسرت محسوس کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے جن دنوں آپ کی رہائش خان گڑھ میں تھی اور خان گڑھ کو سیلاب نے آگھیرا تو ملتان کے دوست بہت مضطرب تھے میرے بھائی ملک عطاء اللہ "نیا مکتبہ" والے روزانہ سائیکل پر خان گڑھ جاتے اور شام کو واپس آ کر شاہ جی کی خیریت احباب کو سناتے ایک دن محمد اشرف درزی بھی فرط محبت میں اپنی بیماری اور کمزوری کے باوجود سائیکل پانی میں چلاتے شاہ جی کے پاس پہنچے تو شاہ جی ان سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا تم نے بیماری اور کمزوری میں اتنی تکلیف کی ہی کیوں!۔۔۔ اس وقت ان کا اضطراب دیدنی تھا، فوراً اس کے لئے شربت پانی اور روٹی کا اہتمام کرنے میں مصروف ہو گئے، مگر جب اشرف نے کہا میں روزے سے ہوں تو شاہ جی اضطراب دوگنا ہو گیا۔ پہلے تو یقین نہ کیا کہ کہیں میری تکلیف کو دیکھ کر یہ بہانہ ہی نہ بنا رہا ہو پھر جب یقین آ گیا کہ واقعی یہ روزے سے ہے تو خود اٹھ کر اندر سے ایک کپڑا لے آئے اور اشرف سے فرمایا اسے باندھ کر جلدی سے نلکے کے نیچے بیٹھ جاؤ اور خود نلکا چلانا شروع کر دیا۔ دوسرے

دوستوں نے عرض کیا کہ ہم اسے نہلا دیتے ہیں مگر نہ مانے اور فرمایا مجھے مسرت اسی طرح حاصل ہوتی ہے اور گھنٹہ بھر اسے نلکے سے علیحدہ نہ ہونے دیا اور پورا گھنٹہ خود نلکا چلاتے رہے۔ کیا کوئی دوسرا لیڈر آپ ایسا بتا سکتے ہیں کہ اپنے ادنیٰ رضاکاروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہو!

انہیں دنوں میں احباب نے بہت کوشش کی شاہ جی کے لئے کوئی مکان ملتان میں الاٹ کرالیں کیونکہ یہ واقعہ تھا کہ وہ امرتسر میں اپنا بہترین مکان چھوڑ کر آئے تھے اور شاہ جی کے اشارے یا رضا کے بغیر یہ کوششیں تادیر جاری رہیں مگر "نمائشی دیندا روں" کی ٹولی نے ہماری یہ کوششیں بار آور نہ ہونے دیں آخر میں مجبور ہو کر ٹبی شیر خاں کے محلہ میں ایک چھوٹا سا کچا مکان ہم نے شاہ جی کی خاطر کرایہ پر لے لیا۔ اس زمانے میں اس کا کرایہ بارہ روپے ماہوار تھا اور کوئی دوسرا اچھا مکان مل نہیں رہا تھا اس لئے ہم نے کوشش کی کہ شاہ کسی طرح ایک بار ملتان تشریف تو لے کر آئیں۔ پھر موقعہ ملنے پر مکان بدلا جا سکتا ہے۔ جب ملک عطاء اللہ شاہ جی کو مع سامان لے آئے تو میں نے معذرت کے انداز میں کہا یہ مکان اگرچہ آپ کے لائق نہیں مگر یہ عارضی انتظام ہے اور بہت جلد ہم کوئی اچھا سا مکان آپ کے لئے ڈھونڈ لیں گے مگر آپ نے ہنستے ہوئے پر مسرت لہجے میں فرمایا! میری جو حیثیت ہے وہ میں بھی جانتا ہوں اور آپ بھی جانتے ہیں میری حیثیت سے تو یہ مکان بھی بڑا ہے میرے بزرگوں نے تو کھجور کی عارضی چھتوں اور کچی دیواروں میں ہمیشہ گزارا کیا جنہیں مکان کہنا آپ لوگ شاید گناہ سمجھیں گے اور یہ تو بہرحال مکان ہے اور مجھے اس واسطے بھی بہت پسند ہے کہ آپ لوگوں نے اسے میرے لئے پسند کیا ہے۔ بات دوسری طرف جاتے دیکھ کر میں نے بات بدلنے کی کوشش میں عرض کیا کہ شاہ جی یہ محلہ کچھ اچھا نہیں اس محلہ کے لوگ آپ کو وہابی سمجھتے ہیں اس لئے مکان تو بہرحال ہم کہیں اور لیں گے البتہ عارضی طور پر چند دن آپ کو یہاں گزارنے ہی پڑیں گے۔ یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا وہابیت کا انتظام میں خود کر لوں گا۔ اور پھر مکان نہ بدلنا تھا نہ بدلا اور آخر وقت تک اسی مکان میں رہے اور وہیں سے آپ کا جنازہ اٹھا اور وہابیت کا انتظام یوں ہوا کہ سال بھر کے اندر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ محلے کے بڑے چھوٹے جوان اور عورتیں آپ کے ساتھ "اباجی اباجی" کے الفاظ سے مخاطب ہوتے تھے وہ سب کی غمی شادی میں صرف شریک ہی نہیں بلکہ مشیر بھی تھے اور ڈیوڑھی کے بارہ فٹ کمرے میں ہر وقت پندرہ بیس آدمی موجود رہتے کوئی باتیں کر رہا ہے کوئی کمر دبا رہا ہے اور کوئی پاؤں دبانے میں مصروف ہے اور شاہ جی ہیں کہ بچے بوڑھے سب کے ساتھ باتیں کئے جا رہے ہیں اور مجلس ہر دو منٹ کے بعد کشت زعفران بن جاتی ہے۔

ایک دن محلے کا ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی کہنے لگا "شاہ جی میں مر رہا ہوں اور آپ توجہ ہی نہیں کرتے"۔ فرمایا بھئی، بیٹھو میں ذرا ہاتھ صاف کر لوں۔ ہاتھ صاف کر کے تشریف لائے تو اس آدمی کے روبرو بیٹھ گئے اور فوراً منہ کھول کر اپنے مصنوعی دانت نکال لئے اور پھر فرمایا کہ دیکھ بھائی سید کا ایک دانت بھی باقی نہیں بچا سب ایک ایک کر کے گر گئے ہیں اب تیرے دانت کا کیا علاج کروں! ڈاکٹر کے پاس جاؤ دوائی لگواؤ اور دعا میں کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جلد شفا عطاء فرمائیں۔ اور لاکھ بات کی کہو تو ایک

بات اور بھی بتا دوں جس سے ڈاکٹر بھی متفق ہیں۔ پھر مسکرائے اور فرمایا۔

علاج دنداں اخراج دنداں

ایک روز شاہ جی نے اپنی ابتدائی بیعت کا واقعہ سنایا کہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا کئی روز وہاں رہا مگر حضرت نے میری طرف توجہ نہ فرمائی ادھران کی بے رخی سمند شوق پر تازیانہ ثابت ہوئی حتیٰ کہ جب ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے تو میں بھی گھوڑے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ انہوں نے گھوڑا دوڑایا تو میں نے بھی پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ جب ان کی نظر پڑی تو پوچھا کیا بات ہے! میں نے عرض کی، حضور آپ کی توجہ کا طلب گار ہوں۔ فرمایا۔ جاؤ ایک دو روز اور انتظار کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی دو روز کے بعد مجھے بلایا بیعت فرمائی اور چند کلمات پڑھنے کے لئے بتلائے میں نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو قصیدہ غوثیہ بھی پڑھا کروں۔ فرمایا میں نے تمہیں وہ چیز بتلائی ہے جس کو پڑھکر غوث الاعظم غوث بنے اور تم قصیدہ غوثیہ پڑھنے کی اجازت مانگتے ہو؟

شاہ جی ایک مرد قلندر تھے اور آپ جانتے ہیں

قلندر جزدو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا

اس لئے طبعاً بہت بے نیاز واقع ہوئے تھے۔ ان کے دوستوں کو ان کا ذاتی مکان نہ ہونا بہت کھٹکتا تھا اور اکثر ان کی محفل میں بھی اس موضوع پر باتیں شروع ہو جایا کرتی تھیں۔ مگر آپ ہمیشہ ہنس کر ایسی بات کو ٹال جایا کرتے تھے بلکہ فوراً موضوع سخن بدل لینے کی کوشش فرماتے تھے۔ ایک دن میری موجودگی میں ایک (شیخ محمد دین) صاحب جن کی میاں چنوں میں لکڑی کی دکان تھی دس ہزار روپے لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ مکان کی خاطر ہے آپ اس میں کچھ اور روپیہ ملا کر کوئی چھوٹا موٹا مکان خرید لیں۔ آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا مگر ساتھ ہی کہا آپ ابھی یہ روپیہ اپنے پاس رکھیں میرے پاس رہا تو خرچ ہو جائے گا بھائی مظہر میرے لئے مکان کا انتظام کر رہے ہیں۔ جب انتظام ہو جائے گا۔ اور ضرورت ہو گی تو روپیہ آپ سے منگوا لیں گے۔ وہ خوش خوش واپس گئے اور اس کے بعد وہ ہفتے عشرے کے بعد جب بھی ملتان آتے تو مجھ سے پوچھنے کے لئے آتے کہ مکان کا کچھ انتظام ہوا اور میں بھی ہمیشہ انہیں یہی جواب دیتا ابھی تو نہیں ہوا ہو جائے گا۔

ایک دن تنگ آ کر انہوں نے کہا اگر دیر ہے تو یہ روپیہ اپنے پاس رکھ لو کہیں مجھ سے خرچ نہ ہو جائے اور چونکہ یہ منت کا روپیہ ہے اس لئے میں اسے خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے دریافت کیا کہ منت کیسی؟ تو شیخ صاحب نے بتایا کہ میرے ہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں اور لڑکا کوئی نہیں تھا۔ میں نے شاہ جی کی خدمت میں استدعا کی آپ نے مجھے ایک دعا بتائی جس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور میری مراد پوری ہو گئی۔ جس دن لڑکا پیدا ہوا تو میں نے عہد کیا تھا کہ شاہ جی کے مکان کے لئے میں بھی امداد کروں گا میں صاحب کی بات سے متاثر ہوا اور ان سے کہا میں شاہ جی سے اجازت لے کر ہی روپیہ اپنے پاس رکھوں گا اور جب میں نے یہ ساری بات شاہ جی کے گوش گزار کی اور ان کی اجازت کا طلب گار ہوا تو انہوں نے فرمایا۔

میرے بھائی صاحب سفید پوش آدمی ہیں کثیر الاولاد ہیں۔ وہ تو محبت کی وجہ سے دیتے ہیں لیکن میں اپنی خواہشات پر ان کے بچوں کو قربان نہیں کرسکتا اگر سو پچاس ہوتے تو میں لے بھی لیتا مگر تم بھی ان کی دل شکنی نہ کرو اور کسی نہ کسی طرح انہیں ٹال دو تا کہ ان کے دل کو ٹھیس بھی نہ لگے اور روپیہ بھی انہیں کے پاس رہے یہ تھا پیسے ٹکے کے سلسلے میں ان کا کردار اور سوائے مرد قلندر کے اور ایسا کون کرسکتا ہے۔؟

ایک دن لائل پور سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دس روپے آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے لے کر اسے واپس کر دیئے اس نے بار بار اصرار کیا تو آپ نے فرمایا بھائی میں نے لے تو لئے ہیں اب اپنی طرف سے تمہیں دیتا ہوں اس میں کیا حرج ہے۔ مگر وہ شخص نہ مانا۔ اس پر آپ غصے ہو گئے اور قطعاً روپے لینے سے انکار کر دیا وہ مغموم ہو کر چلا گیا تو میں نے عرض کیا آپ نے ایک غریب آدمی کو مغموم کر دیا، لے لینے میں کیا مضائقہ تھا تو فرمایا بھائی مظہر تمہیں معلوم ہے میری کوئی جاگیر نہیں کوئی تجارت نہیں مسلمان دیتے ہیں میں کھاتا ہوں اور میرا کام ہی یہی ہے مگر ہمیشہ یہ خیال ضرور رکھتا ہوں کہ دینے والا ایک تو صاحب حیثیت ہو اور اپنی حیثیت کے مطابق دے رہا ہو دوسرے اس کا یہ کام صرف رسماً نہ ہو بلکہ محبتاً ہو۔ لوگوں میں یہ بھی ایک رسم ہے کہ پیر کے پاس خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے اب وہ بیوی کا زیور بیچ کر بھی کچھ ساتھ لے کے آتے ہیں ایسے آدمیوں سے میں کسی طرح بھی کچھ لینے کا روادار نہیں ہوسکتا۔

بہت پرانے زمانے کی ایک اور بات یاد آئی ہے۔ ایک بار ملتان میں آئے اور ردّ رسومات پر آپ نے تقریر فرمائی تعزیہ اور دوسری رسوم سب کا پوسٹ مارٹم کیا وہ تو تقریر فرما کر چلے گئے مگر رسوم کے پجاریوں نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے اور شاہ جی کے خلاف وہ طوفان بد تمیزی اٹھایا کہ الامان! چند ماہ کے بعد شاہ جی پھر تشریف لائے اور ہم لوگ حافظ محمد یار مرحوم کے مکان پر ان سے ملنے گئے اور انہیں سب حال سنایا اور انتقامی و جوابی کارروائی کی اجازت چاہی، تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا بھائی ایسی باتوں سے آزردہ کیوں ہوتے ہو۔ کوئی جو کچھ کہے اسے کہنے دو۔ اور وہ اپنا کام کر رہے ہیں تم اپنا کام کئے جاؤ۔ اور ہمیں تو وطن کی آزادی کے سلسلے میں اس قدر کام ہے کہ ایسی باتوں پر توجہ دینے کی فرصت ہی میسر نہیں۔ وطن آزاد ہو جائے گا تو سب کام درست ہو جائیں گے یہ سب فتنے انگریز کے کھڑے کئے ہوئے ہیں۔ پھر انتہائی سوز ناک لے میں ایک بند پڑھا مجھے اچھی طرح تو یاد نہیں مگر خیال آتا ہے کہ کچھ ایسے ہی الفاظ تھے

اپنا کچھ غم نہیں پر یہ خیال آتا ہے
مادرِ ہند پہ کب تک یہ زوال آتا ہے
دیس آزادی کا کب ہند میں مال آتا ہے
قوم اپنی پہ یہ رہ رہ کے ملال آتا ہے
منتظر رہتے ہیں ہم خاک میں مل جانے کو

پھر رات کو جو تقریر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

میرے ملتانی بھائیو! تم یہ کیوں دیکھتے ہو کہ میں کون ہوں اور کیسا ہوں (۱) فی الحال تو تمہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ میں جو قرآن تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں اور اس کا ترجمہ کرتا ہوں وہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ اگر صحیح ہے تو اس پر عمل کرو اور اگر غلط کہتا ہوں تو میرے منہ پر دے مارو۔ رہا میرا نسب تو مجھے ابھی اس کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے پوچھنے کا حق صرف اس آدمی کو ہے جس کے گھر میں اپنے بیٹے کے رشتے کے لئے جاؤں وہ پوچھے گا تو میں کم از کم اپنی سولہ پشتوں تک کا حال اس کو بتا سکوں گا" یہ سن کر گالیاں دینے والوں کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکتی ہوئی معلوم ہوئی۔

شاہ جی مجھ نالائق و ناکارہ پر بہت ہی مہربان تھے اور جب کبھی ملتان میں تشریف لاتے تو میرے غریب خانے پر ملنے کے لئے ضرور آتے تھے چونکہ میں ایک ایسے محلے کا رہنے والا تھا جس کی زندگی کے طور طریق عام لوگوں سے مختلف ہیں اس واسطے ہمیشہ خیال رکھتا تھا کہ شاہ جی کو کوئی بات ناگوار نہ گزرے۔ ایک بار آپ مغرب کی نماز کے وقت ہی تشریف لے آئے میں مسجد میں تھا، مسجد کے دروازے کے قریب کڑی مصری خان کا ایک پٹھان کھڑا تھا۔ اس نے شاہ جی کو دیکھتے ہی ایک نامعقول بات کہی۔ وہ میں نے بھی سن لی اب شاہ جی مسجد کے اندر تشریف لے آئے اور میں مسجد کے باہر چلا گیا اور طیش میں آکر اس پٹھان سے الجھ گیا اُدھر لوگ آپ سے مصافحہ کرنے کو لپکے مگر آپ سب کو چھوڑ کر فوراً مسجد سے باہر آگئے اور نہایت ٹھنڈے انداز میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا بھئی طیش میں کیوں آگئے بندۂ خدا کس کس سے لڑو گے؟ میرا چونکہ رواں رواں جل رہا تھا، اس لئے میں برابر جلی کٹی کہتا گیا مگر آپ نے مجھے دھکیل کر مسجد کی طرف میرا منہ کر دیا کہ چلو نماز کو دیر ہو رہی ہے اور اس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"اس نے ہمارے دوست کو ناراض کر دیا ہے خوش یہ بھی نہیں رہ سکے گا"

فقیر کے ان الفاظ کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ چند دن کے اندر اندر بیمار ہو گیا دو سال تک چارپائی پر پڑا رہا اور اس کے بعد لکڑی کے سہارے بڑی کوشش کرتا تو سو دو سو گز تک جا سکتا۔

ملتان میں ایک نواب زادے کی وفات پر ملتان کے جملہ رؤساء اور نواب صاحبان جمع تھے ایک کمرہ میں جس میں نواب مرید حسین قریشی بھی موجود تھے بخاری کا ذکر بھی چھڑ گیا میں کمرے سے باہر کھڑا خود اپنے کانوں سے باتیں سنتا رہا نواب مرید حسین نے فرمایا باتیں تو بخاری سچی کہتا ہے مگر ہمارے پیٹ کا سوال درمیان میں ہے۔ اس لئے ہم ان کی باتوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ مجھ سے نہ رہا گیا میں نے آگے بڑھ کر کہا! نواب صاحب آج تو آپ نے سچ فرمایا" وہ ہنسے اور کہنے لگے۔ برخودار میں ہمیشہ سچ کہتا ہوں۔

شاہ جی بیماری کے زمانہ میں بھی تبلیغ کے فریضہ کو نہ بھولے ہر آنے جانے والے سے ختم نبوت کی حفاظت کا عہد لیتے اور اپنی تکلیف کا ذکر نہ کرتے۔ مولیٰ کی دی ہوئی تکلیف کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا

۱۔ملتان میں انگریز کے ٹوڈی گیلانی اور قریشی خاندان کے پیرانِ تسمہ پا نے شہر میں جلوس نکلوایا اور شاہ جی کو نہ صرف مادر زاد گالیاں بکیں بلکہ شجرۂ نسب دکھانے کا مطالبہ کیا اور قتل کی دھمکیاں بھی دیں۔ (مدیر)

صرف انہیں کا کام تھا کبھی ناشکری یا احساس تکلیف کا ایک لفظ بھی ان کی زبان سے نہ نکلا وہ ہمیشہ اپنے مولیٰ سے راضی رہے اور یقیناً مولیٰ بھی اُن سے راضی رہا وہ درجنوں محلے کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش فرماتے تھے محبت ووفا کے وہ پتلے تھے اور جس طرح کا تعلق جس سے تھا اسے آخر تک نبھانے کی کوشش فرماتے رہے۔

ایک دن ان کی محفل میں ایک شخص نے کہا کہ شورش کاشمیری نے "بوئے گل نالہ دل" میں کسی کو معاف نہیں کیا۔ آپ نے فوراً فرمایا مجھے تو معاف کیا ہے۔ محفل کشت زعفران ہوگئی۔ پھر فرمایا! میرے بھائی نورش نے جتنی محنت کی ہے وہ میں جانتا ہوں وہ ساری ساری رات آنکھوں میں کاٹتا ہے دن رات محنت کرتا ہے۔ اللہ نے اس کی محنت کا اس کو اجر دیا ہے میرا دل ٹھنڈا ہے۔ اللہ اس کو اس سے اور زیادہ دے۔

اُن کی ذات میں جو ذاتی رشتہ تھا اس کے سوا بھی اُن کی شخصیت برصغیر پاک وہند کی جدوجہد آزادی میں س قدر اہم کردار اداء کر چکی ہے کہ اُن کی عظمت اور یاد ہمیشہ دلوں میں زندہ رہے گی۔

ابو سعید انور:

میں نے زندگی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے زیادہ موثر مقرر نہیں سنا۔ ایک بار دہلی میں گھر سے کچھ خریدنے کو جامع مسجد کے پاس بازار کو بھیجا گیا تو دیکھا کہ مسجد کے سامنے لال قلعے کے قریبی قطعے پر شامیانے لگے ہوئے ہیں، جلسہ ہو رہا ہے اور شاہ صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔ سودا سلف بھول گیا اور سننے لگا۔ چھ گھنٹے کھڑا رہا شاہ صاحب ہنساتے رلاتے رہے۔ قرآن کریم کی ایسی دل کھینچ لینے والی تلاوت فرماتے کہ آدمی دنیا و مافیہا سے بے خبر اور بے نیاز ہو جاتا۔

زیڈ۔ اے۔ سلیری

میرے پلّے رتی بھر ایمان کی دولت جو ہے، اس کا ذرہ میرے قلب میں شاہ جی نے اور ظفر علی خاں نے ودیعت کیا تھا۔ میں اس جہاں میں بھی ان دونوں کی جوتیوں کا خادم اور اگلے جہاں میں بھی!

پروفیسر مرزا محمد منوّر

وہ جنگ آزادی کے عظیم سپاہی اور اسلام کے بہت بڑے مجاہد تھے قدرت نے انہیں علم وبیان کی نعمتوں سے نوازا تھا

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

شاہ جی اردو کے سب سے بڑے خطیب تھے، انہوں نے مرزائیت کے خلاف زبردست جدوجہد کی

ذوالفقار علی بھٹو